لگی ہوئی ہماری دوربینیں وسیع کائنات میں آٹھ ہزار ملین سال نور تک نہ "دیکھ" سکیں۔ ہمارے طبیعی علوم اچانک اپنی تمام اہمیت کھودیں۔ کائنات کا اس قدر درست طور پر وحدانی حالت میں ہونا بتاتا ہے کہ وہ صرف ایک خدا کے کنٹرول میں ہے۔ اگر وہ کئی خداؤں کے کنٹرول میں ہوتی تو یقیناً اس میں انتشار برپا ہو جاتا۔ مختلف خداؤں کی کشمکش میں وہ درہم برہم ہو کر رہ جاتی۔ زمین پر ایک قانون کی حکمرانی ہوتی اور سیاروں پر دوسرے قانون کی۔

"اللہ نے پیدا کی ہر چیز اور پھر ہر ایک کا ایک اندازہ مقرر کر دیا (فرقان ۲) طبیعیاتی مشاہدہ بتاتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا ایک قانون ہے اور وہ انتہائی لزوم کے ساتھ اس پر قائم ہے۔ آئن رکسبرگ (پروفیسر تطبیقی ریاضیات کوئن میری کالج لندن) کے الفاظ میں "کائنات تعجب خیز حد تک یکساں (Uniform) ہے۔ ہم خواہ کسی طور پر بھی اس کو دیکھیں، کائنات کے اجزاء میں وہی ترکیب اسی تناسب سے پائی جاتی ہے۔ زمین پر جو طبیعیاتی قوانین دریافت کیے گئے ہیں، وہ تحکمی اعداد (Arbitrary Numbers) پر مشتمل ہیں۔ جیسے الکٹران کی مقدار مادہ کا تناسب ایک پروٹان کے مقدار مادہ (Mass) سے، جو کہ تقریباً 1840 کے مقابلہ میں ایک ہوتا ہے۔ یہی تناسب ہر جگہ اور ہر وقت پایا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ کیا ایک خالق نے تحکمی طور پر (Arbitrarily) انھیں اعداد کا انتخاب کر رکھا ہے،" (سنڈے ٹائمس لندن ۴ دسمبر ۱۹۷۷) یہ واقعہ صاف طور پر بتاتا ہے کہ کائنات ہر آن ایک زبردست ہستی کے کنٹرول میں ہے۔ جو خدا کائنات کا خالق ہے، وہی اس کا حکمراں بھی ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ـ" خدا اگر ہے تو ہم کو نظر کیوں نہیں آتا"۔ ہم ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں ہمارے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ چیزوں کو دیکھے بغیر مانیں۔ یہ صرف خدا کے عقیدہ کا سوال نہیں ہے۔ ہم جس کائنات میں ہیں اور جس کو ہم بہرحال مانتے ہیں، اس میں بے شمار چیزیں ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے اور نہیں دیکھ سکتے۔ مگر اس کے باوجود ہم ان کو ماننے پر مجبور ہیں۔ خدا کے سوا موجودہ کائنات کو بھی ہم ایمان بالغیب کا طریقہ اختیار کیے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ مثال کے طور پر ایٹم میں کئی قسم کے ذرات (Particles) تسلیم کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک نیوٹرینو (Neutrino) ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس ذرہ میں کوئی برقی چارج نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اس میں کوئی مادہ (Mass) بھی نہیں ہوتا۔ گویا وہ ایک لاشئے وجود ہے۔ ایک سائنس داں کے الفاظ میں :

Neutrino is a tiny bundle of nothing (3.1.1979)

نیوٹرینو لاشئے کا ایک چھوٹا سا پلندہ ہے۔ اس لاشئے کا وجود کیوں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایٹم میں بعض ایسے خواص ظاہر ہوتے ہیں جن کی توجیہہ اس کے بغیر نہیں بنتی کہ ایٹم کے ڈھانچہ میں ایک غیر ذرہ (Non-Particle) کا وجود تسلیم کیا جائے۔ اس مفروضہ نیوٹرینو کے عجیب و غریب اوصاف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی مادی جسم سے بغیر روک ٹوک گزر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے سفر میں پورے کرہ ارض کو اس کے اندر سے پار کر سکتا ہے۔ نیوٹرینو کی اس خصوصیت کو انسانی استعمال میں لانے کے لئے امریکہ میں تجربات ہو رہے ہیں۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اگر نیوٹرینو کی اس خصوصیت کو قابل استعمال بنایا جا سکا تو پیغام رسانی کی دنیا میں انقلاب آجائے گا۔

کائنات میں کسی چیز کو "دیکھنا"، خالص علمی طور پر اس قدر ناممکن ہے کہ سائنسی فلاسفہ کے درمیان خود اس امر میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے کہ وہ کائنات کو ایک خارجی (Objective) واقعہ قرار دیں یا محض ایک ذہنی یا داخلی (Subjective) طور پر محسوس کی جانے والی چیز۔

خدا کو ماننا کبھی انسان کے لئے اتنا مشکل نہیں رہا ہے جتنا خدا کا صحیح تصور قائم کرنا۔ تمام معلوم زمانوں سے انسان خدا کو مانتا رہا ہے اور آج بھی کرۂ ارض کی آبادی کی بہت بڑی اکثریت خدا کے وجود کا اقرار کرتی ہے۔ مگر اصل کمی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ خدا کو ماننے کے باوجود لوگ اس کے ساتھ ایسے عقیدے جمع کر لیتے ہیں جس سے ماننا اور نہ ماننا دونوں یکساں ہوجاتا ہے۔ کسی نے خدا کو مانتے ہوئے اس کی ایسی تعبیر کی کہ خدا کا کوئی علیحدہ اور مستقل وجود ہی مشتبہ ہوگیا۔ کسی نے خدا کو مانا مگر اسی کے ساتھ اس کے ایسے شرکاء یا مقربین بارگاہ فرض کرلئے جس کے بعد خدا کی خدائی بے معنی ہوکر رہ گئی۔

خدا کے معاملہ میں انسان کے بے راہ ہونے کی وجہ ہمیشہ صرف ایک رہی ہے۔ کائنات کے معلوم واقعات پر خدا کو قیاس کرنا ——— انسان کے یہاں بیٹے بیٹیاں ہوتی ہیں، اس لئے فرض کرلیا گیا کہ خدا کے بھی کچھ بیٹے بیٹیاں ہوں گی۔ اور اس طرح ایک مقدس خدائی خاندان تیار ہوگیا۔ دنیا کے بادشاہوں کے یہاں کچھ سرکار رس لوگ ہوتے ہیں، اس لئے فرض کرلیا گیا کہ خدا کے یہاں بھی کچھ مقرب لوگ ہیں جن کو اس نے اختیار دے رکھا ہے اور جن کی باتوں کو وہ سنتا ہے۔ اس طرح خاصان کائنات کا ایک قبیلہ تیار ہوگیا۔ دنیا میں بہت سی طاقتیں کام کرتی ہوئی نظر آئیں۔ مثلاً سورج، ستارے، دریا وغیرہ۔ فرض کرلیا گیا کہ یہ سب خدائی میں شریک ہستیاں ہیں اور بڑے خدا کے ساتھ مل کر خدائی کو چلا رہی ہیں۔ اس طرح خدا کا معاملہ ایک قسم کا "مشترک کاروبار" کا معاملہ بن گیا، وغیرہ

مظاہر پرستی کی یہی قسم تھی جس نے فلسفیانہ ذہنوں میں پہنچ کر وحدت وجود کی صورت اختیار کی۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک کائنات ہے جو انسان سے لے کر ستاروں تک بے شمار چیزوں سے بھری ہوئی ہے۔ وہ اس تنوع میں وحدت تلاش کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ایک مطلق خدا ہے جو اپنے آپ کو مختلف شکلوں میں ظاہر کررہا ہے۔ اس طرح خدا کا تصور ایک ایسے مجرد خیال کی صورت میں ڈھل گیا جس کی اپنی علیحدہ کوئی ہستی نہ ہو۔ ہر چیز اسی سے نکلتی ہو اور ختم ہوکر دوبارہ اس میں مل جاتی ہو۔ اسی تصور نے "انسانی خداؤں" کا عقیدہ پیدا کیا۔ یہ فرض کرلیا گیا کہ کچھ لوگ اپنی ریاضتوں سے اپنی دنیوی حیثیت کی اس طرح نفی کرلیتے ہیں کہ وہ جیتے جی خدا سے مل جاتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی ہی میں اس خدا کا جزء بن جاتے ہیں جس کا جزء دوسرے لوگ مرنے کے بعد، ان کے عقیدہ کے مطابق، بننے والے ہیں

اسلام نے خدا کے تصور سے ان تمام الحاقات کو جدا کیا۔ اس نے بتایا کہ اس طرح کا ہر اضافہ در اصل خدا کے عقیدہ کی نفی ہے۔ خدا وہی خدا ہے جو ہر لحاظ سے یکتائی کی صفت رکھتا ہو۔ جو اپنی ذات و صفات میں اشتراک

فہرست

آغاز ــــــــــــــــــــ ۳

آدمی کا امتحان ــــــــــــــــــــ ۴

فرشتوں کا سجدہ ، ابلیس کا انکار

خدا کے حکم سے حق دار کے آگے جھک جانا

توحید کا تصور اسلام میں ــــــــــــــــــــ ۷

توحید کی عملی اہمیت ، توحید کا عقیدہ اور انسان

قرآن اور کائنات ، خدائی اخلاقیات کا ظہور کائنات میں

آخرت کی معیاری دنیا میں کون لوگ جگہ پائیں گے۔

اسلام دین فطرت ــــــــــــــــــــ ۱۸

اسلام کے پانچ ارکان

اللہ اور رسول پر ایمان

نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج

آخرت کی دنیا ــــــــــــــــــــ ۲۸

زندگی کی مثال آتش برگ کی ہے

انسان ایک ذمہ دار مخلوق

عمل کے دو رخ

آدمی کی منزل : آخرت

ہدایت کا انتظام ــــــــــــــــــــ ۳۴

فرشتے ہر وقت خاموش زبان میں بتا رہے ہیں

انسان کی تلاش ــــــــــــــــــــ ۳۶

باخدا زندگی اور بے خدا زندگی

ہمارے خوابوں کی دنیا صرف آخرت میں بن سکتی ہے

خدا انسانی فطرت کی آواز ــــــــــــــــــــ ۴۰

مختلف قوموں کی مثالیں

نازک لمحات میں آدمی خدا کو یاد کرنے لگتا ہے۔

نماز سے آغاز ــــــــــــــــــــ ۴۴

الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

بدخواہی ایک ایسا زہر ہے ـــــــ
جس کا نصف حصہ آدمی کو خود پینا پڑتا ہے

اپریل ۱۹۸۳ ◻ قیمت فی پرچہ ـ تین روپے ◻ شمارہ ۷۷

اس کے اندر ابلیس والی نفسیات جاگ اٹھتی ہیں۔ "میں اس سے بہتر ہوں، میں کیوں اس کے سامنے جھکوں" یہ احساس، شعوری یا غیر شعوری طور پر، اس کے لئے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ وہ جس خدا کو سجدہ کر رہا ہوتا ہے، اس خدا کے حکم کے باوجود "آدم" کے آگے جھکنے سے انکار کر دیتا ہے۔

دو آدمیوں کے درمیان ایک معاملہ پڑتا ہے۔ اس معاملہ میں ایک حق پر ہوتا ہے اور دوسرا ناحق پر۔ جو شخص حق پر ہے وہ گویا دوسرے شخص کے لئے وقت کا "آدم" ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان اس صورت حال کا پیدا ہونا ہی خدا کا یہ حکم آجاتا ہے کہ میرے بنائے ہوئے اس آدم کے سامنے میری خاطر جھک جاؤ۔ اب جو شخص اپنے حریف کے حق کو مانتے ہوئے اس کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دے، اس نے فرشتوں کی پیروی کی۔ اور جس شخص کے لئے اس کی "میں" حق کے اعتراف میں مانع ہو جائے، جو اس ذہن کے تحت حق دار کے سامنے جھکنے سے انکار کر دے کہ میری پوزیشن مضبوط ہے، یہ شخص میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا، اس نے ابلیس کی پیروی کی۔ خدا کے سامنے سجدہ کرنا اس کی نجات کا سبب نہیں بن سکتا۔ خدا کے آگے سجدہ صرف اس شخص کا معتبر ہے جو خدا کے حکم کی تعمیل میں اس کے بنائے ہوئے "آدم" کے سامنے بھی جھکنے پر راضی ہو جائے۔ جو یہ کہے کہ میں خدا کے لئے سجدہ کروں گا مگر آدم کے سامنے نہیں جھکوں گا، وہ ابلیس کا بھائی ہے۔ اس کے سجدہ کی خدا کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ اس نے "آدم" کے سامنے جھکنے سے انکار کر کے کبر کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور جو اپنے اندر کبر کی نفسیات کی پرورش کرے اس کا کوئی عمل خدا کبھی قبول نہیں کرتا۔

پہلے انسان (آدم) کا قصہ خدا کے سامنے براہ راست پیش آیا تھا۔ اب دنیا کی زندگی میں ہر آن یہی قصہ خدا کے غیب میں پیش آرہا ہے۔ آج خدا ہمارے سامنے عیاناً موجود نہیں ہے۔ آج جو چیز خدا کی جگہ پر ہے وہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کا طریقہ ہے اور اسی کے ساتھ آدمی کا اپنا ضمیر ہے جو اندر سے اس کو آواز دیتا ہے۔ ہر روز جب کسی انسان سے ہمارا سابقہ پیش آتا ہے اور یہ تقاضہ ہوتا ہے کہ ہم اس کے حق کا اعتراف کریں، خواہ یہ تقاضہ لفظی اعتراف کا ہو یا کسی عمل کا، اس وقت گویا خاموش زبان میں خدا کا حکم ہمارے پاس آجاتا ہے۔ خدا کہتا ہے کہ اس "آدم" کا جو حق تمھارے اوپر آتا ہے اس کو ادا کرو۔ بالفاظ دیگر، اس کے سامنے جھک جاؤ۔ اگر لفظی اعتراف کا معاملہ ہے تو لفظوں میں اس کی صداقت کا اعتراف کرو۔ اگر عملی حق کا معاملہ ہے تو عملی طور پر اس کا حق ادا کرو۔ ایسے موقع پر جو لوگ خدا کی خاموش آواز پر کان لگائیں اور فوراً اپنے آپ کو اس کی تعمیل کے لئے پیش کر دیں، وہ امتحان میں سچے اترے۔ اور جو لوگ "میرا درجہ بڑا ہے"، "میں اس سے بہتر ہوں"، "میں زیادہ طاقتور ہوں" جیسی نفسیات میں مبتلا ہو جائیں اور اپنے "آدم" کے آگے جھکنے سے انکار کر دیں، وہ امتحان میں پورے نہیں اترے۔ پہلی قسم کے لوگوں کے لئے فرشتوں والا انجام ہے اور دوسری قسم کے لوگوں کے لئے ابلیس والا انجام۔ انسان سے اصلاً جو چیز مطلوب ہے وہ یہی ہے کہ وہ خدا کے سامنے سجدہ کرے۔ مگر کوئی شخص حقیقۃً خدا کا ساجد بنا یا نہیں، اس کا امتحان اس کو "آدم" کے سامنے جھک کر دینا ہے۔ خدا کا ساجد اور عابد وہی ہے جو خدا کے

حکم کو مان کر اپنے حق دار انسان کے سامنے جھک جائے۔ جو شخص خدا کے سامنے سجدہ کرے اور جب انسان سے معاملہ پڑے تو اس کا حق نہ پہچانے اور گھمنڈ اور بے انصافی کا طریقہ اختیار کرے، وہ خدا کا ساجد بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ جہاں اس کا خدا اس کے ساجد ہونے کا امتحان لے رہا تھا وہاں وہ اپنے آپ کو ساجد ثابت نہ کر سکا۔

خدا کو سجدہ کرنے کے لئے آدمی آسانی سے تیار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خدا کے مقابلہ میں کسی کے اندر "میں اس سے بڑا ہوں" کی نفسیات نہیں ہوتی۔ جب کہ انسان کے مقابلہ میں طرح طرح کی نفسیاتی گرہیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں جو ایک انسان کے لئے دوسرے انسان کے اعتراف میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ خدا کسی انسان کا حریف نہیں۔ جب کہ ایک انسان بہت جلد دوسرے انسان کو اپنا حریف سمجھ لیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں جھکنے کو اپنے لئے عزت کا سوال بنا لیتا ہے۔ خدا کے مقابلہ میں آدمی کی نفسیات احتیاج کی نفسیات ہوتی ہے۔ خدا صرف دینے والا ہے۔ اس کو کسی سے لینے کی ضرورت نہیں۔ مگر انسان کا معاملہ مختلف ہے۔ یہاں جب ایک شخص دوسرے شخص کے سامنے جھکتا ہے تو وہ اس کو کچھ نہ کچھ دیتا ہے۔ کبھی اچھے الفاظ، کبھی دوسرے کی حقانیت کا اعتراف، کبھی اس کا مالی یا مادی حق ادا کرنا، کبھی کسی کو افضل پاکر خود پیچھے ہٹ جانا اور اس کو آگے بڑھانا، کبھی کسی کی کمزوری پر قابو پا لینے کے باوجود اس کی عزت کی خاطر اس سے درگزر کرنا۔ کبھی ایک شخص کی اتفاقی غلطی سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہوتے ہوئے انصاف کی خاطر چپ رہ جانا۔ کبھی سامنے کے ملتے ہوئے نفع کو چھوڑ کر صرف اصول کی خاطر بے نفع والے آدمی کا ساتھ دینا، غرض ہر بار جب کسی کے لئے دوسرے آدمی کے سامنے جھکنے کا سوال ہو تو یہ اس کو کچھ دینے کا سوال ہوتا ہے۔ ایک آدمی کو دوسرے آدمی کے مقابلہ میں حق و انصاف کا رویہ اختیار کرنے کے لئے اس کو اپنی نفسیاتی گرہوں کو توڑنا پڑتا ہے۔ جب وہ کسی حریف کی عزت کرتا ہے تو یہ اپنی عزت کو خطرہ میں ڈالنے کی قیمت پر ہوتا ہے۔ یہ چیزیں خدا کے سجدہ کے مقابلہ میں "آدم" کے آگے جھکنے کو کسی انسان کے لئے بے حد مشکل بنا دیتی ہیں۔ مگر انسان کا اصلی امتحان جہاں ہو رہا ہے، وہ یہی مقام ہے۔ یہی وہ اصل قربانی ہے جو ہر ایک کو اپنے خدا کی رضا کے لئے دینی ہے۔ جو اس قربانی کے لئے تیار نہ ہو وہ کبھی خدا کا محبوب بندہ نہیں بن سکتا۔ خواہ وہ بظاہر خدا کو سجدہ کرنے والا ہو یا سجدہ نہ کرنے والا۔

سب سے بڑی حقیقت اللہ رب العالمین ہے۔ اس ذات کو پالینا ہی آدمی کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ موجودہ دنیا میں آدمی جہاں اپنے رب کو پاتا ہے وہ "سجدہ" ہے، مگر سجدہ اسی وقت حقیقی سجدہ بنتا ہے جب کہ سجدہ سے باہر کی دنیا میں آدمی تواضع اور جھکاؤ کی زندگی اختیار کر چکا ہو۔ ایسا شخص اپنی نفسی حالت کے اعتبار سے اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کی تجلیات کا آخذ (Recipient) بن سکے۔ اس کے لئے سجدہ حقیقی معنوں میں رب العالمین سے ملاقات کا مقام بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص سجدہ سے باہر کی زندگی میں خود پسند اور متکبر بنا رہے، اس کی روح کے اندر شیطان اپنے گھونسلے بنا لیتا ہے۔ اس کا سجدہ غفلت اور بے کیفی کا سجدہ ہوتا ہے۔ اس کا سجدہ اس کو خدا سے نہیں ملاتا، اس کا سجدہ اس کو خدا سے قریب نہیں کرتا۔

توحید کا تصور اسلام میں

کائنات کا ایک خالق ہے۔ اس نے اپنے منصوبہ کے مطابق اس کو بنایا ہے اور وہی اس کو چلا رہا ہے۔ جس طرح ساری کائنات خدا کی اطاعت کر رہی ہے اسی طرح انسان کے لئے بھی صحیح رویہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کا فرماں بردار بن کر زندگی گزارے۔ تمام انبیاء یہی بتانے کے لئے آئے اور کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ ہر آن آدمی کو یہی سبق دے رہی ہے ——— یہ ہے اسلامی توحید اور اس مقالہ میں مجھ کو اسی نظریۂ توحید کی وضاحت کرنی ہے۔

"کیا تمھیں شک ہے اللہ کے بارے میں جس نے زمین و آسمان کو پھاڑا (ابراہیم ۱۰) قرآن کا یہ ارشاد بظاہر ایک سوال ہے مگر حقیقۃً وہ سوال کا جواب ہے۔ اس آیت میں فاطر (پھاڑنے والا) کا لفظ وجود خداوندی کے حق میں ایک قطعی دلیل ہے جس کو دوسرے مقام پر ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے "کیا انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے ان کو جدا کر دیا (انبیاء ۳۰) اندازہ کیا گیا ہے کہ کائنات کا موجودہ دائرہ (Radius) کم از کم دس ہزار ملین سال نور ہے۔ فلکیاتی مطالعہ نے بتایا ہے کہ کائنات ایک حالت پر ٹھہری ہوئی نہیں ہے بلکہ یکساں رفتار سے اپنے چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ یہ عمل مسلسل جاری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ماضی میں کسی وقت کائنات سمٹی ہوئی حالت میں تھی۔ فلکیات دانوں کے خیال کے مطابق ابتداءً پوری کائنات ایک بڑے ایٹم (Super Atom) کی صورت میں تھی۔ اس کے تمام اجزاء بے حد قوت کے ساتھ اندر کی طرف کھنچے ہوئے تھے۔ تقریباً پندرہ بلین سال پہلے اس ابتدائی مادہ میں ایک دھماکہ یا اخراج طاقت (Energy Release) کا واقعہ ہوا جس کے نتیجہ میں سپر ایٹم کے اجزا اپنے مرکز سے ٹوٹ کر اپنے چاروں طرف پھیلنے لگے تاکہ موجودہ کائنات کو وجود دے سکیں۔ سپر ایٹم کے اندر اس وقت جو اسباب کام کر رہے تھے وہ تمام تر صرف اندر کی طرف کھینچنے اور سمٹنے کے تھے۔ اپنے ذاتی قانون کے برخلاف اس کے اجزاء کا باہر کی طرف سفر شروع کرنا لازماً کسی خارجی طاقت کی مداخلت ہی سے ہو سکتا تھا۔ یہ واقعہ ہم کو مجبور کرتا ہے کہ ہم کائنات کے ماسوا ایک آزاد ہستی کا وجود تسلیم کریں جو تمام طاقتوں کی مالک ہے اور جس نے اپنے شعوری عمل سے ابتدائی مادہ کے اندر یہ غیر معمولی حرکت پیدا کی۔

"زمین و آسمان میں اگر ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو ضرور ان میں بگاڑ پیدا ہو جاتا (انبیاء ۲۲) قرآن کے یہ الفاظ اس کائناتی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ یہ مافوق طاقت صرف ایک ہے، کئی نہیں۔ تمام طبیعی علوم حیرت انگیز طور پر اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ پوری کائنات ایک ہی قانون کے تحت چل رہی ہے۔ جو قوانین زمین پر کام کر رہے ہیں، وہی نہایت صحت کے ساتھ اجرام سماوی میں بھی کارفرما ہیں۔ یہی یقین تھا جس نے انسان کو آمادہ کیا کہ وہ کھربوں ڈالر خرچ کرکے خلائی مشینیں بنائے اور ان کو چاند اور مریخ پر عین اپنے اندازہ کے مطابق اتار سکے۔ اگر ساری کائنات ایک قانون کے تحت مکمل صحت کے ساتھ عمل نہ کر رہی ہو تو زمین پر

کی تمام قسموں سے پوری طرح پاک ہو۔ "کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ اس کے اولاد نہیں۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہیں ہے اس کے برابر کوئی (اخلاص)

توحید کی عملی اہمیت

اسلام میں توحید کا عقیدہ ہیگل کے فلسفہ کی طرح محض ایک مجرد تصور (Abstract Idea) کی حیثیت نہیں رکھتا۔ انسان کی زندگی سے اس کا نہایت گہرا عملی تعلق ہے۔ اسلام کے نزدیک وہی شخص موحد ہے جو وحدت فکر کے ساتھ وحدت کردار کا بھی حامل بن جائے۔ اسلامی توحید کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کائنات کا خالق ایک ہے اسی طرح اس کا مالک بھی ایک ہے۔ اور ٹھیک اسی طرح وہ ہستی بھی وہی ایک ہے جس کے آگے انسان جواب دہ ہے اور اپنے عمل کے مطابق جس کے یہاں سزا یا جزا پانے والا ہے۔ اس طرح آخرت کا عقیدہ بھی، بالواسطہ طور پر، عقیدۂ توحید ہی کا ایک جزء بن جاتا ہے۔ خدا کے تخلیقی ظہور کو ماننے بغیر جس طرح خدا کا عقیدہ بے معنی ہے، اسی طرح خدا کے محاسب اور مجازی ہونے کی حیثیت کو جب تک تسلیم نہ کیا جائے، خدا کی یکتائی کا عقیدہ مکمل نہیں ہوتا۔ موجودہ کائنات اپنی اتھاہ حکمتوں کے ساتھ خدائے وحدہٗ لاشریک کی قدرت کاملہ کا ایک ظہور ہے۔ آخرت کا عالم اسی ظہور خداوندی کی تکمیل ہے۔ موجودہ دنیا وحدتِ الٰہی کا غیبی ظہور ہے، آخرت کی دنیا وحدتِ الٰہی کا شہاداتی ظہور۔ موجودہ عالم میں توحید ایک غور و فکر کا موضوع نظر آتی ہے، آخرت کی دنیا وہ دنیا ہوگی جہاں توحید ایک ایسا قائم شدہ واقعہ بن جائے گا جس کو ماننا اسی طرح ہر ایک کے لئے ضروری ہوگا جس طرح آج سورج کو ماننا۔ اگر کوئی شخص خدا کو ایک مانے مگر خدا کی یکتائی کے اس ظہور کو تسلیم نہ کرے جو آخرت کی صورت میں سامنے آنے والا ہے تو اس کا عقیدۂ توحید ناقص ہے۔ وہ ایک فلسفی موحد ہو سکتا ہے مگر اس کو اسلامی موحد کہنا کسی طرح درست نہ ہوگا۔

"خدا ایک ہے" یہ صرف ایک گنتی کا معاملہ نہیں ہے بلکہ تمام معلوم اور نامعلوم حقائق کی تشریح کا معاملہ ہے۔ مادی دنیا ہو یا روحانی دنیا، حال کا معاملہ ہو یا مستقبل کا معاملہ، دنیا کے مسائل ہوں یا آخرت کے مسائل، تمام چیزیں اس وقت تک ناقابل فہم ہیں جب تک ان کو ایک فکری وحدت کی حیثیت نہ دے دی جائے، جب تک وحدتِ خداوندی کے ساتھ ان کی نسبت کو معلوم نہ کر لیا جائے۔ خدا کی یکتائی کی دریافت تمام حقائق کی مرکزی وحدت کی دریافت ہے۔ وہی توحید توحید ہے جو ہمارے اوپر حقائق کی ابدی معنویت کو واضح کر دے۔ جو نظریہ حقائق کی معنویت کو بحیثیت ایک کل کے واضح نہ کرے وہ خواہ اور جو کچھ ہو مگر اسلامی نقطۂ نظر سے اس کو توحید نہیں کہا جا سکتا۔ خدا کی وحدت کو پانا اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ وہ اسی کے ساتھ انسان اور کائنات کی وحدت کو پانے کے ہم معنی بن جائے، وہ ایک ایسے فکر کا درجہ حاصل کرے جہاں تمام تضادات ختم ہو جائیں اور صرف وحدت ہی آخری حقیقت کے طور پر باقی رہ جائے۔ ڈاروِن نے خالق (Creator) کا وجود تسلیم کیا ہے۔ مگر وہ یہ دریافت نہ کر سکا کہ خالق ہے تو اس کے اور انسان کے درمیان نسبت کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاروِن کے نظریہ کے بطن سے تاریخ کا سب سے زیادہ شدید

الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

حسین پھول اپنی خاموش زبان میں یہ کہہ رہے ہیں کہ
انسانوں کے درمیان پھول بن کر رہو ————

شمارہ ۲۹
اپریل ۱۹۷۹

زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

اسلام دین فطرت

از

مولانا وحید الدین خاں

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی 6

سال اشاعت ۱۹۷۹ قیمت دو روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کوئی آدمی دولت کے لئے جیتا ہے، کوئی عزت کے لئے، کوئی اقتدار کے لئے۔ ہر آدمی، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، کسی نہ کسی چیز میں جی رہا ہے۔ ہر آدمی کی زندگی میں کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کے سہارے وہ زندہ ہو۔ جس کو وہ سب سے زیادہ قابل لحاظ سمجھے۔ جس کو حاصل کرنے کا خواب دیکھے۔ جس کے لئے دوڑ دھوپ کرے۔ اس کی امیدیں اور اس کے اندیشے، اس کی تمنائیں اور اس کی حسرتیں سب سے زیادہ اس سے وابستہ ہوں۔ اس کو پاکر وہ سب سے زیادہ خوش ہو اور اس کے چھننے کا ڈر ہو تو وہ سب سے زیادہ غمگین ہو جائے۔

یہی دین ہے۔ اس معنی میں ہر شخص کا ایک دین ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص اس قسم کے ایک دین سے خالی نہیں۔ آدمی جس چیز کو اپنا "دین" بنائے اسی کے مطابق اس کی پوری زندگی بنتی ہے۔ اس کی سوچ اور جذبات، اس کا لین دین، اس کے انسانی تعلقات، اس کی سرگرمیاں اور کارروائیاں سب اسی کے گرد گھومتی ہیں۔ وہ اس کام کو کرتا ہے جس سے اس کا مقصود ملنے والا ہو، اس کام سے دور بھاگتا ہے جس سے اپنے مقصود کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہو۔ یہی دین اس کا حاکم ہوتا ہے۔ سوتے جاگتے ہر حال میں وہ اسی دین کو پکڑے رہتا ہے۔ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ اس کے اثر سے خالی نہیں ہوتا۔

یہ دین خدا کا بھی ہو سکتا ہے اور غیر خدا کا بھی۔ موجودہ دنیا میں یہی امتحان ہے کہ آدمی کون سا دین اختیار کرتا ہے۔ خدا کا یا غیر خدا کا۔ یہاں ہر شخص کو آزادی ہے۔ یہاں غیر خدا کے دین کو پکڑ کر بھی آدمی عزت اور کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ مگر یہ کامیابی بالکل وقتی ہوگی۔ وہ زیادہ سے زیادہ موت تک آدمی کا ساتھ دے گی اس کے بعد اگلی مستقل دنیا میں وہ اس حال میں اٹھے گا کہ وہ بالکل خالی ہاتھ ہوگا۔ اگلی دنیا میں خدا اپنے قدرت اور جلال کے ساتھ ظاہر ہو چکا ہوگا۔ اس لئے وہاں عزت و کامیابی صرف اس شخص کے لئے ہوگی جس نے موجودہ دنیا میں خدا کے دین کو اپنا دین بنایا ہوگا۔ جو کسی دوسرے دین کو اختیار کرے گا، اس کے لئے موت کے بعد آنے والی دنیا میں ناکامی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

خدا کا دین ہی انسان کے لئے فطری اور حقیقی دین ہے۔ یہ حقیقت ڈر کے لمحات میں کھل جاتی ہے۔ آدمی خواہ کوئی بھی دین اختیار کرے۔ خواہ وہ کوئی بھی سہارا پکڑے۔ مگر جب انسان کی زندگی کا جہاز کسی بھنور میں پھنستا ہے جب اس پر کوئی نازک لمحہ آجاتا ہے، اس وقت اس کو تمام چیزیں بھول جاتی ہیں۔ اس وقت وہ بے اختیار ہو کر ایک خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ یہ تجربہ جو کبھی نہ کبھی ہر شخص کی زندگی میں گزرتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حقیقی دین صرف خدا کا دین ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ اسی کو اپنی زندگی کا دین بنائے۔ اس کے سوا وہ جس دین کو بھی پکڑے گا وہ وقت آنے پر اسی طرح بے حقیقت ثابت ہوگا جیسے آج نازک لمحات میں تمام چیزیں بے حقیقت ثابت ہو جاتی ہیں۔ آج کے حالات میں فطرت کی پکار آئندہ آنے والی مستقل دنیا کا ایک اشارہ ہے۔ وہی شخص کامیاب ہے جو اس اشارہ پر کان لگائے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنالے۔

آدمی کا امتحان

پہلا انسان جو خدا نے پیدا کیا وہ آدم تھے۔ اس وقت خدا کی پیدا کی ہوئی دو مخلوقات اور تھیں۔ ایک فرشتے دوسرے جن۔ خدا نے فرشتوں اور جنوں کو حکم دیا کہ تم سب آدم کے آگے سجدہ کرو۔ فرشتے خدا کا حکم سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے۔ مگر ابلیس، جو جنوں کا سردار تھا، اس نے سجدہ نہیں کیا۔ خدا نے کہا: تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا جب کہ میں نے اس کا حکم دیا تھا۔ ابلیس بولا: میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے آدم کو مٹی سے بنایا ہے اور مجھ کو آگ سے (اعراف ۱۲) ابلیس خدا کو سجدہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ مگر وہ آدم کو سجدہ کرنے پر راضی نہ ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ملعون اور جہنمی قرار دے دیا گیا۔

یہی معرکہ آدم کی اولاد میں آج بھی جاری ہے۔ ایک طرف فرشتے ہیں جو آدمی کو تسلیم اور اعتراف کا سبق دے رہے ہیں۔ دوسری طرف ابلیس ہے جو انسان کی رگوں میں تیرتا ہے اور آدمی کو اکساتا ہے کہ وہ خود پسندی (انا خیر منہ) کا طریقہ اختیار کرے اور اس کا ہم مسلک بن جائے۔ اس طرح ہماری زندگی میں دوبارہ بہت بڑے پیمانہ پر وہی کہانی دہرائی جا رہی ہے جو پہلے انسان کی پیدائش کے وقت ابتداءً پیش آئی تھی۔ دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے ہم کبھی نہ کبھی ایک "آدم" سے دوچار ہوتے ہیں۔ ہمارا سابقہ کسی نہ کسی انسان سے پڑتا ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی حق ہمارے اوپر عائد ہوتا ہے، خواہ وہ ایک اچھے بول کی صورت میں کیوں نہ ہو۔ ایسے ہر موقع پر خدا اپنی خاموش زبان میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ میرے حکم کی تعمیل میں اس آدم کے سامنے جھک جاؤ۔ اب جو لوگ فرشتوں کی روش کو اختیار کریں اور اپنے بارے میں خدا کے حکم کو پہچان کر اپنے آپ کو اس کے آگے ڈال دیں، وہ خدا کے وفادار بندے ہیں۔ وہ ابدی جنتوں میں جگہ پائیں گے۔ اور جو لوگ ابلیس کے طریقے کو اختیار کریں اور اپنی بڑائی کی خاطر دوسرے کے آگے جھکنے کے لئے تیار نہ ہوں، وہ خدا کے باغی لوگ ہیں۔ وہ ابلیس کے ساتھ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے تاکہ وہاں ابدی طور پر جلتے رہیں:

> شیطان بولا: جیسا تو نے مجھے بدراہ کیا ہے، میں تیری سیدھی راہ پر انسانوں کی تاک میں بیٹھوں گا۔ میں ان پر آؤں گا آگے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ اللہ نے کہا: نکل یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر۔ ان میں سے جو کوئی تیری راہ چلا تو میں تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا (اعراف ۱۸-۱۶)

انسان خدا کا بندہ ہے۔ اس کو اصل سجدہ خدا ہی کو کرنا ہے۔ مگر دنیا کی زندگی میں وہ جن لوگوں کے درمیان رہتا ہے، ان کے مقابلہ میں بار بار اس پر کسی نہ کسی کا حق آتا ہے اور بار بار خدا کا حکم ہوتا ہے کہ یہاں تم اس "آدم" کے سامنے جھک جاؤ۔ یہی آدمی کا اصل امتحان ہے۔ خدا کو سجدہ کرنے کے لئے آدمی آسانی سے تیار ہو جاتا ہے۔ مگر جہاں اس کو کسی انسان کا اعتراف کرنا ہو، جہاں کسی انسان کے سامنے جھکنے کا سوال ہو وہاں فوراً